ہجر تو روح کا موسم ہے

بانی

بانی

ہجر تو روح کا موسم ہے

ہجر تو روح کا ایک موسم سا ہے جانے کب آئے گا

سرد تنہائیوں کا عجب سلسلہ ہے اُفق تا اُفق

نام : راجندر منچندہ

پیدائش : 12 نومبر 1932ء

تعلیم : ایم اے اقتصادیات

وطن : ملتان (مغربی پاکستان)

اصل کتاب : حرفِ معتبر

صلاح کار : راج نارائن راز

انتخاب : چندر پرکاش شاد

ترتیب : مہدی حیدر زیدی

موجودہ ای بک کے لیے انتخاب (حرفِ معتبر کی غزلیں) : اعجاز عبید

اے صفِ ابرِ رواں تیرے بعد

اک گھنا سایہ شجر سے نکلا

فہرست

زماں مکاں تھے مرے سامنے بکھرتے ہوئے 7
مرے بدن میں پگھلتا ہوا سا کچھ تو ہے 10
نہ منزلیں تھیں، نہ کچھ دل میں تھا، ۔۔نہ سر میں تھا 12
اِک گلِ تر بھی شرر سے نکلا 13
سیاہ خانۂ اُمیّدِ رائیگاں سے نکل 14
تھی اپنی اک نگاہ کہ جس سے ہلاک تھے 15
میں اس کی بات کی تردید کرنے والا تھا 16
میں ایک بے برگ و بار منظر۔۔۔کمر برہنہ۔۔میں سنسناہٹ تمام یخ پوش۔۔اپنی آواز کا کفن ہوں 17
چاند سے۔۔سارا آسماں خالی 18
پی چکے تھے زہرِ غم۔۔۔خستہ جاں پڑے تھے ہم۔۔چین تھا 19
میں چپ کھڑا تھا تعلّق میں اختصار جو تھا 20
سر بسر ایک چمکتی ہوئی تلوار تھا میں 21
شب چاند تھا جہاں۔۔وہیں اب آفتاب ہے 22
شعلہ ادھر اُدھر۔۔۔کبھی سایا یہیں کہیں 23
تنہا تھا۔۔مثلِ آئینہ۔۔۔تارہ، سر اُفق 24
منا لینا اُس کو ہنر ہے مرا 25
سفر ہے مرا اپنے ڈر کی طرف 26
او ستم گور تو بڑا دشمنِ جاں ہے۔۔۔سب کا 27
دن کو دفتر میں اکیلا، شب۔۔۔بھرے گھر میں اکیلا 28
ہر طرف سامنا کوتاہ کمالی کا ہے 29
مجھے پتہ تھا کہ یہ حادثہ بھی ہونا تھا 30
گزر رہا ہوں سیہ، اندھے فاصلوں سے میں 31
مجھ سے اک اک قدم پر بچھڑتا ہوا کون تھا 32
عجیب تجربہ تھا بھیڑ سے گزرنے کا 33
وہاں سے اب کوئی آئے گا لوٹ کر بھی کیا! 35

اک دھواں ہلکا ہلکا سا پھیلا ہوا ہے اُفق تا اُفق 37
قدم زمیں پہ نہ تھے راہ ہم بدلتے کیا 38
جو زہر ہے مرے اندر وہ دیکھنا چاہوں 39
آج تو رونے کو جی ہو جیسے 40
بجائے ہم سفری اتنا رابطہ ہے بہت 41
شب وہاں تذکرۂ کم ہنراں تھا کتنا 42
نہ حریفانہ مرے سامنے آ' میں کیا ہوں 43
اگر باقی کوئی رشتہ رہے گا 44
چھپی ہے تجھ میں کوئی شے' اسے نہ غارت کر 45
ہوائیں زور سے چلتی تھیں ہنگامہ بلا کا تھا 46
آج کیا لَوٹتے لمحات میسّر آئے 47
وہ'۔۔۔ جسے اب تک سمجھتا تھا میں پتھّر۔۔۔ سامنے تھا 48
تمام راستہ پھولوں بھرا ہے میرے لیے 49
اِدھر کی آئے گی اک رو' اُدھر کی آئے گی 50
رنگ لپک سے عاری۔۔۔ جسم' ادا سے خالی 51
وہ مناظر ہیں یہاں' جن میں کوئی رنگ نہ بو۔۔۔ بھاگ چلو 52
جادو گری اس پر کسی صورت نہ چلے گی 53
تیرگی بلا کی ہے' میں کوئی صدا لگاؤں 54
گِرد میرے نہ فصیلیں ترے کام آئیں گی 55

زماں مکاں تھے مرے سامنے بکھرتے ہوئے
میں ڈھیر ہو گیا طولِ سفر سے ڈرتے ہوئے
دکھا کے لمحۂ خالی کا عکسِ لا تفسیر
یہ مجھ میں کون ہے مجھ سے فرار کرتے ہوئے
بس ایک زخم تھا دل میں جگہ بناتا ہوا
ہزار زخم مگر بھولتے بسرتے ہوئے
وہ ٹوٹتے ہوئے رشتوں کا حسنِ آخر تھا
کہ چُپ سی لگ گئی دونوں کو بات کرتے ہوئے
عجب نظارہ تھا بستی کا اس کنارے پر
سبھی بچھڑ گئے دریا سے پار اترتے ہوئے
میں ایک حادثہ بن کر کھڑا تھا رستے میں
عجب زمانے مرے سر سے تھے گزرتے ہوئے

وہی ہوا کہ تکلّف کا حسن بیچ میں تھا
بدن تھے قربِ تہی لمس سے بکھرتے ہوئے

پتّہ پتّہ بھرتے شجر پر ابر برستا دیکھو تم
منظر کی خوش تعمیری کو لمحہ لمحہ دیکھو تم !
مجھ کو اس دلچسپ سفر کی راہ نہیں کھوٹی کرنی
میں عجلت میں نہیں ہوں یارو، اپنا رستہ دیکھو تم
آنکھ سے آنکھ نہ جوڑ کے دیکھو سوئے اُفق اے ہم سفرو !
لاکھوں رنگ نظر آئیں گے، تنہا تنہا دیکھو تم !
آنکھیں۔ چہرے، پاؤں سبھی کچھ بکھرے پڑے ہیں رستے میں
پیش رووں پر کیا کچھ بیتی، جا کے تماشہ دیکھو تم
کیسے لوگ تھے، چاہتے کیا تھے کیوں وہ یہاں سے چلے گئے
گُنگ گھروں سے کچھ مت پوچھو، شہر کا نقشہ دیکھو تم
میرے سر ہے شراپ کسی کا، چھوڑ دو میرا ساتھ یہیں
جانے اس ویران ڈگر پر آگے کیا کیا دیکھو تم
اب تو تمھارے بھی اندر کی بول رہی ہے مایوسی
مجھ کو سمجھانے بیٹھے ہو، اپنا لہجہ دیکھو تم !
پلک پلک من جوت سجا کر کوئی گگن میں بکھر گیا
اب ساری شب ڈھونڈو اس کو، تارا تارا دیکھو تم
بھاری رنگوں سے ڈرتا سا، رنگ جدا اک ہلکا سا
صاف کہیں نہ دکھائی دے گا، آڑا ترچھا دیکھو تم
پانی سب کچھ اندر اندر دور بہا لے جاتا ہے۔۔۔
کوئی شے اس گھاٹ نہ ڈھونڈو، ساتوں دریا دیکھو تم
جیسے میرے سارے دشمن مرے مقابل ہوں اک ساتھ

پاؤں نہیں آگے اٹھ پاتے، زور ہوا کا دیکھو تم
ابھی کہاں معلوم یہ تم کو ویرانے کیا ہوتے ہیں
میں خود ایک کھنڈر ہوں جس میں وہ آنگن آ دیکھو تم
ان بن گہری ہو جائے گی یوں ہی سمے گزرنے پر
اس کو منانا چاہو گے جب، بس نہ چلے گا۔۔۔ دیکھو تم
ایک ایسی دیوار کے پیچھے، اور کیا کیا دیواریں ہیں
اِک دیوار بھی راہ نہ دے گی، سر بھی ٹکرا دیکھو تم
ایک اتھاہ گھنی تاریکی کب سے تمھاری راہ میں ہے
ڈال دو ڈیرہ وہیں، جہاں پر نور ذرا سا دیکھو تم
سچ کہتے ہو! ان راہوں پر چَین سے آتے جاتے ہو
اب تھوڑا اس قید سے نکلو، کچھ ان دیکھا دیکھو تم
خالی خالی سے لمحوں کے پھول ملیں گے پوجا کو
آنے والی عمر کے آگے دامن پھیلا دیکھو تم
ہم پہنچے ہیں بیچ بھنور کے روگ لئے دنیا بھر کے
اور کنارے پر دنیا کو لَوٹ کے جاتا دیکھو تم
اِک عکسِ موہوم عجب سا اِس دھندلے خاکے میں ہے
صاف نظر آئے گا تم کو، اب جو دوبارہ دیکھو تم
اپنی خوش تقدیری جانو، اب جو راہیں سہل ہوئیں
ہم بھی اِدھر ہی سے گزرے تھے، حال ہمارا دیکھو تم

رات، دعا مانگی تھی باثیؔ ہم نے سب کے کہنے پر
ہاتھ ابھی تک شل ہیں اپنے، قہر خدا کا دیکھو تم

مرے بدن میں پگھلتا ہوا سا کچھ تو ہے
اِک اور ذات میں ڈھلتا ہوا سا کچھ تو ہے
مری صدا نہ سہی۔۔ہاں۔۔ مرا لہو نہ سہی
یہ موج موج اچھلتا ہوا سا کچھ تو ہے
کہیں نہ آخری جھونکا ہو مٹتے رِشتوں کا
یہ درمیاں سے نکلتا ہوا سا کچھ تو ہے
نہیں ہے آنکھ کے صحرا میں ایک بوند سراب
مگر یہ رنگ بدلتا ہوا سا کچھ تو ہے
جو میرے واسطے کل زہر بن کے نکلے گا
تِرے لبوں پہ سنبھلتا ہوا سا کچھ تو ہے
یہ عکسِ پیکرِ صد لمس ہے، نہیں۔۔ نہ سہی
کسی خیال میں ڈھلتا ہوا سا کچھ تو ہے
بدن کو توڑ کے باہر نکلنا چاہتا ہے
یہ کچھ تو ہے، یہ مچلتا ہوا سا کچھ تو ہے!
کسی کے واسطے ہو گا پیام یا کوئی قہر
ہمارے سر سے یہ ٹلتا ہوا سا کچھ تو ہے

یہ میں نہیں۔۔نہ سہی۔۔۔اپنے سرد بستر پر
یہ کروٹیں سی بدلتا ہوا سا کچھ تو ہے
وہ کچھ تو تھا، میں سہارا جسے سمجھتا تھا
یہ میرے ساتھ پھسلتا ہوا سا کچھ تو ہے
بکھر رہا ہے فضا میں یہ دودِ روشن کیا
اُدھر پہاڑ کے جلتا ہوا سا کچھ تو ہے
مِرے وجود سے جو کٹ رہا ہے گام بہ گام
یہ اپنی راہ بدلتا ہوا سا کچھ تو ہے!

جو چاٹتا چلا جاتا ہے مجھ کو اے باقیؔ!
یہ آستین میں پلتا ہوا سا کچھ تو ہے!!

نہ منزلیں تھیں، نہ کچھ دل میں تھا، ۔۔ نہ سر میں تھا
عجب نظارۂ لاسمتیت نظر میں تھا
عتاب تھا کسی لمحے کا اِک زمانے پر
کسی کو چین نہ باہر تھا، اور نہ گھر میں تھا
چھُپا کے لے گیا دُنیا سے اپنے دل کے گھاؤ
کہ ایک شخص بہت طاق اس ہنر میں تھا
کسی کے لَوٹنے کی جب صدا سنی تو کھُلا
کہ میرے ساتھ کوئی اور بھی سفر میں تھا
کبھی میں آب کے تعمیر کردہ قصر میں ہوں
کبھی ہوا میں بنائے ہوئے سے گھر میں تھا
جھجک رہا تھا وہ کہنے سے کوئی بات ایسی
میں چُپ کھڑا تھا۔ کہ سب کچھ مِری نظر میں تھا
یہی سمجھ کے اسے خود صدا نہ دی میں نے
وہ تیز گام کسی دور کے سفر میں تھا
کبھی ہوں تیری خموشی کے کٹتے ساحل پر
کبھی میں لَوٹتی آواز کے بھنور میں تھا
ہماری آنکھ میں آکر بنا اک اشک، وہ رنگ
جو برگِ سبز کے اندر، نہ شاخِ تر میں تھا
کوئی بھی گھر میں سمجھتا نہ تھا مرے دُکھ سُکھ
اِک اجنبی کی طرح میں خود اپنے گھر میں تھا

ابھی نہ برسے تھے باقیؔ گھِرے ہوئے بادل
میں اُڑتی خاک کی مانند رہگزر میں تھا

اِک گلِ تر بھی شرر سے نکلا
بسکہ ہر کام ہُنر سے نکلا

میں ترے بعد۔۔ پھر اے گمشدگی
خیمۂ گردِ سفر سے نکلا

غم نکلتا نہ کبھی سینے سے
اک محبّت کی نظر سے نکلا

اے صفِ ابرِ رواں تیرے بعد
اِک گھنا سایہ شجر سے نکلا

راستے میں کوئی دیوار بھی تھی
وہ اسی ڈر سے نہ گھر سے نکلا

ذکر پھر اپنا، وہاں ،مدّت بعد
کسی عنوانِ دِگر سے نکلا

ہم کہ تھے نشّۂ محرومی میں،
یہ نیا درد کدھر سے نکلا!

ایک ٹھوکر پہ سفر ختم ہوا
ایک سودا تھا کہ سر سے نکلا

ایک اک قصّۂ بے معنی کا
سلسلہ تیری نظر سے نکلا

لمحے ،آدابِ تسلسل سے چھُٹے
میں کہ امکانِ سحر سے نکلا

سرِ منزل ہی کھُلا اے باقیؔ
کون کس راہگزر سے نکلا

سیاہ خانۂ اُمیّدِ رائیگاں سے نکل
کھلی فضا میں ذرا آ، غبارِ جاں سے نکل

عجیب بھیڑ یہاں جمع ہے، یہاں سے نکل
کہیں بھی چل مگر اس شہرِ بے اماں سے نکل

اک اور راہ، اُدھر دیکھ، جا رہی ہے وہیں
یہ لوگ آتے رہیں گے، تو درمیاں سے نکل

ذرا بڑھا تو سہی واقعات کو آگے
طلسم کاریِ آغازِ داستاں سے نکل

تو کوئی غم ہے تو دل میں جگہ بنا اپنی
تو اک صدا ہے تو احساس کی کماں سے نکل

یہیں کہیں ترا دشمن چھپا ہے اے باقیؔ
کوئی بہانہ بنا، بزمِ دوستاں سے نکل

تھی اپنی اک نگاہ کہ جس سے ہلاک تھے
سب واقعے ہمارے لئے دردناک تھے
اندازِ گفتگو تو بڑے پر تپاک تھے
اندر سے قربِ سرد سے دونوں ہلاک تھے
ٹوٹا عجب طرح سے طلسمِ سفر کہ جب
منظر ہمارے چار طرف ہولناک تھے
اب ہو کوئی چبھن تو محبّت سمجھ اسے
وہ ربط خود ہی مٹ گئے جو غم سے پاک تھے

ہم جسم سے ہٹا نہ سکے کاہلی کی برف
جس کی تہوں میں خواب بڑے تابناک تھے

میں اس کی بات کی تردید کرنے والا تھا
اک اور حادثہ مجھ پر گزرنے والا تھا
کہیں سے آ گیا اک ابر درمیاں ورنہ
مرے بدن میں یہ سورج اترنے والا تھا
مجھے سنبھال لیا تیری ایک آہٹ نے
سکوتِ شب کی طرح میں بکھرنے والا تھا
عجیب لمحۂ کمزور سے میں گزرا ہوں
تمام سلسلہ پَل میں بکھرنے والا تھا
میں لڑکھڑا سا گیا سایۂ شجر میں ضرور
میں راستے میں مگر کب ٹھہرنے والا تھا
اب آسماں بھی بڑا شانت ہے، زمیں بھی سکھی
گزر گیا ہے جو ہم پر گزرنے والا تھا

لگا جو پیٹھ پہ آ کر وہ تیر تھا کس کا
میں دُشمنوں کی صفوں میں نہ مرنے والا تھا

میں ایک بے.برگ و بار منظر۔۔۔ کمر بر ہنہ۔۔ میں سنسناہٹ تمام یخ پوش۔۔ اپنی آواز کا کفن ہوں
محاذ سے لوٹتا ہوا نیم تن سپاہی۔۔ میں اپنا ٹوٹا ہوا عقیدہ۔۔ اب آپ اپنے لئے وطن ہوں

میں جانتا تھا گھنے گھنے جنگلوں کے سینے میں دفن ہے جو متاعِ نم وہ کسی طرح بھی نہ لا سکوں گا
میں پورے دن کی چتا جلا کر چلا ہوں گھر کو کہ جیسے سورج کے پیٹ میں ٹوٹتی ہوئی آخری کرن ہوں

مرا کوئی خواب تھا جسے میں سجا چکا ہوں.بڑی نفاست سے اپنے دیرینہ شہر کے سارے آئینوں میں
میں نام سے اک جُڑا ہوا شخص۔۔۔ طے شدہ شخص۔۔۔ ایک پہچان کے علاوہ نہ اب صدا ہوں نہ اب سخن ہوں

کہیں مری گرد لے اُڑی ہے مرے فسانے۔۔۔ کہیں کوئی رنگ لے اڑا ہے مرے حسیں بے بہا خزانے۔۔۔
کہیں۔۔۔ کسی کی نگاہ میں فکرِ رائگاں ہوں، کہیں۔۔۔ کسی کی نگاہ میں رونقِ فضائے ہزار فن ہوں

عدم زوال ایک تیرگی ہے۔۔ کسی اُفق سے سحر نہ ہرگز طلوع ہو گی۔۔ کہاں تلک منتظر رہو گے۔۔۔۔
کہ میرے سینے میں لاکھوں شمعوں سا ہے الاؤ۔۔ مجھی سے یہ روشنی نکالو۔۔ کہ اک یہاں میں ہی شب شکن ہوں

چاند سے ۔۔ سارا آسماں خالی
ہر جگہ ہے یہاں وہاں خالی
غم کے بے کیف سلسلے ہیں یہاں
حادثوں سے ہے داستاں خالی
آتشِ گل ہی جب ہوئی کچھ تیز
خود کیئے ہم نے آشیاں خالی
یہ انا کیسی درمیاں آئی
ہو چلی بزمِ دوستاں خالی
وقت خود ہی عجب عذاب میں ہے
ایک اک لمحہ رائگاں ۔۔ خالی
آتا جاتا کہیں نہیں کوئی
ایک اک راہ بے نشاں ۔۔ خالی
کیسے کیسے مقام آئے ہیں
میں ہوا ہوں کہاں کہاں خالی
عشق میں پوری زندگی کو سنبھال
اس میں جی کا نہیں زیاں خالی ! !

اب ہے باقی فضا فضا محروم
گونجتا ہے مکاں مکاں خالی

پی چکے تھے زہرِ غم۔۔۔ خستہ جاں پڑے تھے ہم۔۔ چین تھا
پھر کسی تمنّا نے، سانپ کی طرح ہم کو ڈس لیا
میرے گھر تک آتے ہی، کیوں جدا ہوئی تجھ سے، کچھ بتا
ایک اور آہٹ بھی ساتھ ساتھ تھی تیرے، اے صبا!
سر میں جو بھی تھا سودا، اُڑ گیا خلاؤں میں مثلِ گرد
ہم پڑے ہیں رستے میں، نیم جاں۔۔۔۔ شکستہ دل۔۔۔ خستہ پا
سب کھڑے تھے آنگن میں اور مجھ کو تکتے تھے، بار بار
گھر سے جب میں نکلا تھا، مجھ کو روکنے والا کون تھا؟

جوش گھٹتا جاتا تھا، ٹوٹتے سے جاتے تھے حوصلے
اور سامنے۔۔ باقیؔ۔۔۔ دوڑتا سا جاتا تھا راستہ!

میں چپ کھڑا تھا تعلّق میں اختصار جو تھا
اُسی نے بات بنائی، وہ ہوشیار جو تھا
پہنچ دیا کسی جھونکے نے لا کے منزل پر
ہوا کے سر پہ کوئی دیر سے سوار جو تھا
محبّتیں نہ رہیں اس کے دل میں میرے لئے
مگر وہ ملتا تھا ہنس کر، کہ وضع دار جو تھا
عجب غرور میں آ کر برس پڑا بادل
کہ پھیلتا ہوا چاروں طرف غبار جو تھا

قدم قدم رمِ پامال سے میں تنگ آ کر
ترے ہی سامنے آیا، ترا شکار جو تھا

سر بسر ایک چمکتی ہوئی تلوار تھا میں
موج دریا سے مگر برسرِ پیکار تھا میں
میں کسی لمحۂ بے وقت کا اک سایہ تھا
یا کسی حرفِ تہی اسم کا اظہار تھا میں
ایک اک موج پٹخ دیتی تھی باہر مجھ کو
کبھی اِس پار تھا میں، اور کبھی اُس پار تھا میں
اُس نے پھر ترکِ تعلّق کا بھی موقع نہ دیا
گھٹتے رشتوں سے کہ ہر چند خبردار تھا میں

اس تماشے میں تاثّر کوئی لانے کے لئے
قتل، باقیؔ، جسے ہونا تھا وہ کردار تھا میں

شب چاند تھا جہاں۔۔ وہیں اب آفتاب ہے
در پر مرے یہ صبح کا پہلا عتاب ہے
آواز کوئی سر سے گزرتی چلی گئی
میں یہ سمجھ رہا تھا کہ حرفِ خطاب ہے
ہرگز یہ سچ نہیں کہ لگن خام تھی مری
ہاں کچھ بھی جو کہے۔۔۔ جو یہاں کامیاب ہے
شب، کون تھا یہاں جو سمندر کو پی گیا
اب کوئی موج آب نہ موج سراب ہے

اک لمحہ جس کے سینے میں کچھ پل رہا ہے کھوٹ
باقیؔ ابھی وہ اپنے لئے خود عذاب ہے

شعلہ ادھر اُدھر۔۔۔ کبھی سایا یہیں کہیں
ہو گا وہ برق جسم، سبک پا، یہیں کہیں!

کن پانیوں کا زور اسے کاٹ لے گیا
دیکھا تھا ہم نے ایک جزیرہ یہیں کہیں

منسوب جس سے ہو نہ سکا کوئی حادثہ
گم ہو کے رہ گیا ہے وہ لمحہ یہیں کہیں

آوارگی کا ڈر، نہ کوئی ڈوبنے کا خوف
صحرا ہی آس پاس۔۔۔ نہ دریا یہیں کہیں

وہ چاہتا یہ ہو گا کہ میں ہی اُسے بلاؤں
میری طرح وہ پھرتا ہے تنہا یہیں کہیں!

باقیؔ ذرا سنبھل کے محبّت کا موڑ کاٹ
اک حادثہ بھی تاک میں ہو گا یہیں کہیں

تنہا تھا۔۔ مثلِ آئینہ۔۔۔تارہ، سرِ اُفق
اُٹھتی نہ تھی نگاہ دوبارہ، سرِ افق
سب دم بخود پڑے تھے خسِ جسم و جاں لیے
لہرا رہا تھا کوئی شرارہ سرِ افق
اک موج بے پناہ میں ہم یوں اُڑے پھرے
جیسے کوئی طلسمی غبارہ سرِ افق
کب سے پڑے ہیں بند زمان و مکاں کے در
کوئی صدا نہ کوئی اشارہ سرِ افق

سب کچھ سمیٹ کر مرے اندر سے لے گیا
اک ٹوٹتی کرن کا نظارہ سرِ افق

منا لینا اُس کو ہنر ہے مرا
بہانہ ہر اک کار گر ہے مرا
ہوا ہم سفر ہو گئی ہے مری
قدم ہیں مرے ‘اب نہ سر ہے مرا
مجھے کیا خبر تھی تری آنکھ میں
عجب ایک رقصِ دِگر ہے مرا
مجھے آسماں کر رہا ہے تلاش
گھنے جنگلوں سے گزر ہے مرا
میں دو دن میں خود تُجھ سے کٹ جاؤں گا
کہ ہر سلسلہ مختصر ہے مرا
زمانے۔۔۔تری رہبری کے لیے
بہت یہ غبارِ سفر ہے مرا

ترے سامنے کچھ نہ ہونے کا عکس
مرے سامنے کوئی ڈر ہے مرا

سفر ہے مرا اپنے ڈر کی طرف
مری ایک ذاتِ دگر کی طرف
بھرے شہر میں اک بیاباں بھی تھا
اشارہ تھا اپنے ہی گھر کی طرف
مرے واسطے جانے کیا لائے گی
گئی ہے ہوا اک کھنڈر کی طرف
کنارہ ہی کٹنے کی سب دیر تھی
پھسلتے گئے ہم بھنور کی طرح
کوئی درمیاں سے نکلتا گیا
نہ دیکھا کسی ہم سفر کی طرف
تری دشمنی خود ہی مائل رہی
کسی رشتۂ بے ضرر کی طرف

رہی دل میں حسرت کہ باثؔی چلیں
کسی منزلِ پُر خطر کی طرف

او ستم گور تو بڑا دشمنِ جاں ہے۔۔۔ سب کا
کوئی بھی زخم سے چیخا تو زیاں ہے۔۔۔ سب کا
ہے تو اک شخص کے ہونٹوں پہ ترا قصّۂ غم
شاملِ قصّہ مگر دودِ فغُاں ہے۔۔۔ سب کا
آ بھی جاتے ہیں اِدھر بیتی رُتوں کے جھونکے
اب یہی خانۂ غم کنجِ اماں ہے۔۔۔ سب کا
اک چمک سی نظر آ جائے‘ تڑپ اٹھتے ہیں
حسن کے باب میں ادراک جواں ہے۔۔۔ سب کا
ایک اک شخص ہے ٹوٹا ہوا اندر سے یہاں
کیا چھپائے گا کوئی‘ حال عیاں ہے۔۔۔ سب کا
کوئی سر پھوڑنا چاہے تو نہ اک سنگ ملے
اب تو اس شہر میں شیشے کا مکاں ہے۔۔۔ سب کا

خیمۂ گرد جو راہوں میں تنا ہے باقیؔ
اب یہی سب کا پتہ ہے‘ یہ نشاں ہے۔۔۔ سب کا

دن کو دفتر میں اکیلا، شب۔۔۔ بھرے گھر میں اکیلا
میں کہ عکسِ منتشر، ایک ایک منظر میں اکیلا
اُڑ چلا وہ، اک جدا خاکہ لئے سر میں۔۔۔ اکیلا
صبح کا پہلا پرندہ آسماں بھر میں اکیلا!!
کون دے آواز خالی رات کے اندھے کنوئیں میں
کون اُترے۔۔۔ خواب سے محروم بستر میں۔۔۔ اکیلا
اُس کو تنہا کر گئی کروٹ کوئی پچھلے پہر کی
پھر اُڑا بھاگا وہ سارا دن، نگر بھر میں اکیلا
ایک مدّھم آنچ سی آواز، سرگم سے الگ کچھ،
رنگ اک دبتا ہوا سا، سارے منظر میں اکیلا
بولتی تصویر میں اِک نقش، لیکن کچھ ہٹا سا،
ایک حرفِ معتبر لفظوں کے لشکر میں اکیلا
جاؤ موجو، میری منزل کا پتہ کیا پوچھتی ہو
اک جزیرہ۔۔۔ دور افتادہ۔۔۔ سمندر میں اکیلا
جانے کس احساس نے آگے نہیں بڑھنے دیا تھا
اب پڑا ہوں قید، میں رستے کے پتھّر میں اکیلا

ہُو بہُو میری طرح چپ چاپ مجھ کو دیکھتا ہے
اک لرزتا، خوبصورت عکس، ساغر میں اکیلا

ہر طرف سامنا کوتاہ کمالی کا ہے
عشق اب نام کسی قدرِ زوالی کا ہے
شہر کا شہر نمونہ ہے عجب وقتوں کا
ایک اک شخص یہاں وضعِ مثالی کا ہے
کوئی منظر ہے نہ عکس، اب کوئی خاکہ ہے نہ خواب
سامنا آج یہ کس لمحۂ خالی کا ہے
آ ملاؤں تجھے اک شخص سے آئینے میں
جس کا سر شاہ کا ہے، ہاتھ سوالی کا ہے

اب مرے سامنے باقی کوئی رستہ ہے نہ موڑ
عکس چاروں طرف اک شہرِ خیالی کا ہے

مجھے پتہ تھا کہ یہ حادثہ بھی ہونا تھا
میں اُس سے مل کے نہ تھا خوش۔۔۔جُدا بھی ہونا تھا
چلو کہ جذبۂ اظہار چیخ میں تو ڈھلا
کسی طرح اسے آخر ادا بھی ہونا تھا
بنا رہی تھی عجب چتر ڈوبتی ہوئی شام
لہو کہیں کہیں شامل مرا بھی ہونا تھا
عجب سفر تھا کہ ہم راستوں میں کٹتے گئے
پھر اس کے بعد ہمیں لاپتا بھی ہونا تھا
میں تیرے پاس چلا آیا لے کے شکوے گلے
کہاں خبر تھی کوئی فیصلہ بھی ہونا تھا
غُبار بن کے اُڑے تیز رَو، کہ اِن کے لئے
تو کیا ضرور کوئی راستہ بھی ہونا تھا
سرائے پر تھا دھواں جمع ساری بستی کا
کچھ اس طرح کہ کوئی سانحہ بھی ہوتا تھا

مجھے ذرا سا گماں بھی نہ تھا، اکیلا ہوں
کہ دشمنوں کا کہیں سامنا بھی ہونا تھا

گزر رہا ہوں سیہ ' اندھے فاصلوں سے میں
نہ اب ہوں رہ سے عبارت ' نہ منزلوں سے میں
کہاں کہاں سے الگ کر سکو گے تم مجھ کو
جُڑا ہوا ہوں یہاں لاکھ سلسلوں سے میں
قدم ملانے میں سب کر رہے تھے قوّتیں صرف
مِلا ہوں راہ میں کتنے ہی قافلوں سے میں
میں اس کے پاؤں کی زنجیر دیکھتا تھا بہت
کچھ آشنا نہ تھا اپنی ہی مشکلوں سے میں
عجیب لوگ ہیں ' کچھ کہہ لو ' مان لیتے ہیں ! !
ہوا ہوں زیر بہت زوؔد قاتلوں سے میں

کہو تو ساتھ بہا لے چلوں یہ دکھ بھرے شہر
الگ نہیں اِنہیں کھوٹے کھرے دلوں سے میں

مجھ سے اک اک قدم پر بچھڑتا ہوا کون تھا
ساتھ میرے، مجھے کیا خبر! دوسرا کون تھا
تا بہ منزل یہ بکھری ہوئی گردِ پا کس کی ہے
اے برابر قدم دوستو، وہ جُدا کون تھا؟
جانے کس خطرے نے بخش دی ہم کو ہمسائیگی
ورنہ اک دوسرے سے یہاں آشنا کون تھا
پہلے کس کی نظر میں خزانے تھے اُس پار کے
مثل میرے، حدوں سے اُدھر دیکھتا کون تھا
کون تھا، موسمِ صاف بھی جس کو آیا نہ راس
کچھ تو ہم سے کہو، وہ ہلاکِ ہوا کون تھا
کون تھا، میرے پر تولنے پر نظر جِس کی تھی
جِس نے سر پر مرے آسماں رکھ دیا کون تھا
کس کی بھیگی صدا جھانکتی تھی مری خاک سے
میں تھا اپنا کھنڈر، اس میں میرے سوا کون تھا

کون تھا۔۔ قائلِ قہر ہونا تھا جس کو ابھی،
ٹوٹ کر جس پہ برسی بھیانک گھٹا، کون تھا؟؟

عجیب تجربہ تھا بھیڑ سے گزرنے کا
اُسے بہانہ ملا مجھ سے بات کرنے کا
ہر ایک موج تہِ آب اُس کو کھینچ گئی
تماشہ ختم ہوا ڈوبنے اُبھرنے کا
مجھے خبر ہے کہ رستہ مزار چاہتا ہے
میں خستہ پا سہی، لیکن نہیں ٹھہرنے کا
تھما کے ایک بکھرتا گلاب میرے ہاتھ
تماشہ دیکھ رہا ہے وہ میرے ڈرنے کا
یہ آسماں میں سیاہی بکھیر دی کس نے
ہمیں تھا شوق بہت اس میں رنگ بھرنے کا
کھڑے ہوں دوست کہ دشمن صفیں سب ایک سی ہیں
وہ جانتا ہے ادھر سے نہیں گزرنے کا
نگاہ ہم سفروں پر رکھو سرِ منزل
کہ مرحلہ ہے یہ اک دوسرے سے ڈرنے کا
لپک لپک کے وہیں ڈھیر ہو گئے آخر
جتن کیا تو بہت سطح سے ابھرنے کا

(ق)

کراں کراں نہ سزا کوئی سیر کرنے کی
سفر سفر نہ کوئی حادثہ گزرنے کا
کسی مقام سے کوئی خبر نہ آنے کی
کوئی جہاز زمیں پر نہ اب اترنے کا
کوئی صدا نہ سماعت پہ نقش ہونے کی
نہ کوئی عکس مری آنکھ میں ٹھہرنے کا
نہ ان ہوا مرے سینے میں سنسنانے کی
نہ کوئی زہر مری روح میں اترنے کا
کوئی بھی بات نہ مجھ کو اداس کرنے کی
کوئی سلوک نہ مجھ پہ گراں گزرنے کا

بس ایک چیخ گری تھی پہاڑ سے یک لخت
عجب نظارہ تھا پھر دھند میں بکھرنے کا

وہاں سے اب کوئی آئے گا لوٹ کر بھی کیا!
حریف کیا، مرے یارانِ معتبر بھی کیا!

نہ اب ہے آب میں موتی نہ خاک میں سونا
مری طرح ہوئے خالی یہ بحر و بر بھی کیا؟

نہیں رہے گا یہ ہنگامہ کچھ قدم تک بھی
پھر اُس کے بعد مرے ساتھ ہم سفر بھی کیا!

خبر اُڑانے سے موقعے پہ چوکتا بھی نہیں
ہمارا دوست ہے لیکن ہے بے ضرر بھی کیا!

وہ فاصلے تھے کہ دونوں کو راس آتے گئے
کسی کو دوسرے کی پھر کوئی خبر بھی کیا!

ہمارے دل میں ہے کیا؟ سن تو کچھ تسلّی سے
کہ ٹوکنا یہ ترا بات بات پر بھی کیا!

کسی چٹان کے اندر اتر گیا ہوں میں
کہ اب مرے لیے طوفان بھی کیا، بھنور بھی کیا

عجب مثال ہے غم کی یہ قصّہ۔۔پڑھیے اسے
کہیں کہیں سے بھی کیا، اور تمام تر بھی کیا!

چلو کہ چین سے بیٹھیں کہیں تو اے یارو!
نہیں ہے شہر سے باہر کوئی کھنڈر بھی کیا!

یہی کہ کالی سے لفظوں کو معنی دیتے پھریں
ہمارے پاس ہے اس کے سوا ہنر بھی کیا!

ذرا تو دیکھو کہ کس حال میں ہیں میرے رقیب
کہ اب نگاہ نہ ڈالو گے تم اُدھر بھی کیا؟
جواب دِہ نہ ہوئے ہم کہیں بھی تیرے بعد
کہ سچ تو یہ ہے ہمیں تھا کسی کا ڈر بھی کیا
تمام سلسلے ان گیسوؤں کے ساتھ گئے
ردائے ابر بھی کیا' سایۂ شجر بھی کیا!
جھلستی خاک پہ تنہا پڑا ہے برگِ امید
ہوا کا اس لُٹے رستے سے اب گزر بھی کیا!
کھلے فراغ سے اک روز ہم سے آ مل بیٹھ
کبھی کبھی کی ملاقاتِ مختصر بھی کیا!
عجیب گھور سیاہی میں گم کھڑا ہوں میں
برونِ در بھی یہاں کیا' درونِ در بھی کیا!
اٹھائی خود ہی یہ دیوار۔۔ خود نہ پھاند سکے
وہ پہلی جست بھی کیا' کوششِ دگر بھی کیا!
کسی عجیب سی دھُن میں اداس پھرتا ہوں
مرے لیے یہ تماشائے رہگزر بھی کیا!
ہمارے آگے تو یوں بھی نہ تھے نشانِ راہ
ہوا نے چاٹ لی گردِ پسِ سفر بھی کیا؟
میں ہوں عجیب سی محرومیوں میں گم اس وقت
کہ مجھ پہ تیری محبّت بھی نظر بھی کیا!

یہ تم نے کس کے لئے شہر چھوڑا اے باقیؔ
کہ اب نہ لوٹ کے آؤ گے اپنے گھر بھی کیا؟

اک دھواں ہلکا ہلکا سا پھیلا ہوا ہے اُفق تا اُفق
ہر گھڑی اک سماں ڈوبتی شام کا ہے اُفق تا اُفق
کس کے دل سے اڑیں ہیں سلگتے ہوئے غم کی چنگاریاں
دوستو شب گئے یہ اجالا سا کیا ہے اُفق تا اُفق
ہجر تو روح کا ایک موسم سا ہے جانے کب آئے گا
سرد تنہائیوں کا عجب سلسلہ ہے اُفق تا اُفق
سینکڑوں وحشتیں چیختی پھر رہی تھیں کراں تا کراں
آسماں نیلی چادر سی تانے پڑا ہے اُفق تا اُفق
روتے روتے کوئی تھک کے چپ ہو گیا دو گھڑی کے لیے
ایک نمناک سنّاٹا اب چیختا ہے اُفق تا اُفق
ایک میں ہوں پرانا ہوا جا رہا ہوں نفس یک نفس
وہ سحر ہے شفق در شفق، وہ فضا ہے اُفق تا اُفق

میرے ذہنِ شگفتہ کی رنگینیوں کی طرح ہو بہو
ایک نظّارہ لمحہ بہ لمحہ نیا ہے اُفق تا اُفق

قدم زمیں پہ نہ تھے راہ ہم بدلتے کیا
ہوا بندھی تھی یہاں پیٹھ پر۔۔ سنبھلتے کیا
پھر اس کے ہاتھ ہمیں اپنا قتل بھی تھا قبول
کہ آ چکے تھے قریب اتنے، بچ نکلتے کیا
یہی سمجھ کے وہاں سے میں ہو لیا رخصت
وہ چلتے ساتھ، مگر دور تک تو چلتے کیا
تمام شہر تھا اک موم کا عجائب گھر
چڑھا جو دن تو یہ منظر نہ پھر پگھلتے کیا
وہ آسماں تھے کہ آنکھیں سمیٹتیں کیسے
وہ خواب تھے کہ مری زندگی میں ڈھلتے کیا
نباہنے کی اسے بھی تھی آرزو تو بہت
ہوا ہی تیز تھی اتنی۔۔ چراغ جلتے کیا
اُٹھے اور اٹھ کے اسے جا سنایا دُکھ اپنا
کہ ساری رات پڑے کروٹیں بدلتے کیا

نہ آبروئے تعلّق ہی جب رہی باقی
بغیر بات کیے ہم وہاں سے ٹلتے کیا

جو زہر ہے مرے اندر وہ دیکھنا چاہوں
عجب نہیں میں ترا بھی کبھی برا چاہوں

میں اپنے پیچھے عجب گرد چھوڑ آیا ہوں
مجھے بھی رہ نہ ملے گی جو لوٹنا چاہوں

وہ اک اشارۂ زیریں ہزار خوب سہی
میں اب صدا کے صلے میں کوئی صدا چاہوں

مرے حروف کے آئینے میں نہ دیکھ مجھے
میں اپنی بات کا مفہوم دوسرا چاہوں

کھُلی ہے دل پہ کچھ اس طرح غم کی بے سببی
تری خبر نہ کچھ اپنا ہی اب پتا چاہوں

کوئی پہاڑ، نہ دریا، نہ آگ رستے میں
عجب سپاٹ سفر ہے کہ حادثہ چاہوں

-ق-

نہ چاہوں دور سے آتی ہوئی کوئی آواز
نہ اپنے ساتھ میں اپنی صدائے پا چاہوں
نہ چاہوں سامنے اپنے کوئی بھی عکسِ سفر
نہ سر پہ راہ دکھاتی ہوئی ہوا چاہوں

وہ لائے تو کسی رنجش کو درمیاں باقی
میں بات کرنے کو تھوڑا سا فاصلہ چاہوں

آج تو رونے کو جی ہو جیسے
پھر کوئی آس بندھی ہو جیسے
شہر میں پھرتا ہوں تنہا تنہا
آشنا ایک وہی ہو جیسے
ہر زمانے کی صدائے معتوب
میرے سینے سے اٹھی ہو جیسے
خوش ہوئے ترکِ وفا کر کے ہم
اب مقدّر بھی یہی ہو جیسے
اس طرح شب گئے ٹوٹی ہے امید
کوئی دیوار گری ہو جیسے
یاس آلود ہے ایک ایک گھڑی
زرد پھولوں کی لڑی ہو جیسے
میں ہوں اور وعدۂ فردا تیرا
---اور---اک عمر پڑی ہو جیسے
بے کشش ہے وہ نگاہِ صد لطف
اِک محبّت کی کمی ہو جیسے

کیا عجب لمحۂ غم گزرا ہے---
عمر اک بیت گئی ہو جیسے

بجائے ہم سفری اتنا رابطہ ہے بہت
کہ میرے حق میں تری' بے ضرر' دعا ہے بہت

تھی پاؤں میں کوئی زنجیر۔۔۔ بچ گئے' ورنہ
رمِ ہوا کا تماشہ یہاں رہا ہے بہت

یہ موڑ کاٹ کے منزل کا علس دیکھو گے
اسی جگہ مگر امکانِ حادثہ ہے بہت

بس ایک چیخ ہی یوں تو ہمیں ادا کر دے
معاملہ ہُنرِ حرف کا جدا ہے بہت

مری خوشی کا وہ کیا کیا خیال رکھتا ہے
کہ جیسے میری طبیعت سے آشنا ہے بہت

تمام عمر جنھیں ہم نے ٹوٹ کر چاہا
ہمارے ہاتھوں انھیں پر ستم ہوا ہے بہت

ذرا چھوا تھا کہ بس پیڑ آ گرا مجھ پر
کہاں خبر تھی کہ اندر سے کھوکھلا ہے بہت

کوئی کھڑا ہے مری طرح بھیڑ میں تنہا
نظر بچا کے مری سمت دیکھتا ہے بہت

یہ احتیاط کدہ ہے کڑے اصولوں کا
ذرا سے نقص پہ باقی یہاں سزا ہے بہت

شب وہاں تذکرۂ کم ہنراں تھا کتنا
کیا چمکتا کوئی شعلہ کہ دھواں تھا کتنا
ہم کھنچے بیٹھے تھے شمشیرِ برہنہ کی طرح
ہم پہ اک پھول کا سایہ بھی گراں تھا کتنا
پھر نہ گنجائشِ یک صدمہ بھی ہم تم پہ رہی
ٹوٹتا سلسلہ دونوں پہ عیاں تھا کتنا
دیکھ لی تھی مرے اندر کی سیاہی اس نے
اِک ستارہ مری جانب نگراں تھا کتنا
آنکھ سورج نے چرالی، تو جبیں پربت نے
کچھ ہوالے اُڑی، سرمایۂ جاں تھا کتنا
ایک آواز کہ ہونٹوں پہ جمی تھی کب سے
ایک زہراب کہ سینے میں رواں تھا کتنا

بن کے ہم رہ گئے یک قطرۂ تلاطم کا ہی جھاگ
ہم کہ پی جائیں گے دریا ہی، گماں تھا کتنا

نہ حریفانہ مرے سامنے آ' میں کیا ہوں
تیرا ہی جھونکا ہوں اے تیز ہوا' میں کیا ہوں

رقصِ یک قطرۂ خوں' آپ کشش' آپ جنوں
اے کہ صد تشنگیِ حرف و صدا' میں کیا ہوں

ایک ٹہنی کا یہاں اپنا مقدّر کیسا
پیڑ کا پیڑ ہی گرتا ہے جدا۔۔۔' میں کیا ہوں

اک بکھرتی ہوئی ترتیبِ بدن ہو تم بھی
راکھ ہوتے ہوئے منظر کے سوا' میں کیا ہوں

تو بھی زنجیر بہ زنجیر بڑھا ہے مری سمت
ساتھ میرے بھی روایت ہے' نیا میں کیا ہوں

کون ہے جس کے سبب تجھ میں محبّت جاگی
مجھ میں کیا تجھ کو نظر آیا۔۔ بتا۔۔ میں کیا ہوں

ابھی ہونا ہے مجھے اور کہیں جا کے طلوع
ڈوبتے مہر کے ہمراہ بجھا میں کیا ہوں

اگر باقی کوئی رشتہ رہے گا
ترے جی کو بھی کچھ دکھ سا رہے گا
چلو رسمِ وفا ہم بھی اُٹھا دیں
کوئی دن شہر میں چرچا رہے گا
نہ جائے گا کبھی دل سے ترا غم
یہ جوگی دشت میں بیٹھا رہے گا
ترے خستہ مزاجوں کو ہمیشہ
جنوں ترکِ محبّت کا رہے گا
یہ دشتِ دل ہے، کوئی آئے یا جائے
برابر ایک سنّاٹا رہے گا
ہوائے یاس کا ہلکا سا جھونکا
ترے آنے سے پہلے آ رہے گا
ہم اک دن خود سے غافل ہو رہیں گے
ترا غم دل ہی میں رکھّا رہے گا
عدم کی سمت بڑھتا جائے گا دل
تجھے آواز بھی دیتا رہے گا

ابد تک ادھ کھلی آنکھوں میں تیری
کوئی جادو، کوئی دھوکا رہے گا

چھپی ہے تجھ میں کوئی شے ' اسے نہ غارت کر
جو ہو سکے تو کہیں دل لگا ' محبّت کر

ادا یہ کس کٹے بتّے سے تو نے سیکھی ہے
ستم ہوا کا ہو اور شاخ سے شکایت کر

نہ ہو مخل مرے اندر کی ایک دنیا میں
بڑی خوشی سے۔ بر و بحر پر حکومت کر

وہ اپنے آپ نہ سمجھے گا تیرے دل میں ہے کیا
خلش کو حرف بنا ' حرف کو حکایت کر

مرے بنائے ہوئے بت میں روح پھونک دے اب
نہ ایک عمر کی محنت مری اکارت کر

کہاں سے آ گیا تو بزمِ کم یقیناں میں
یہاں نہ ہوگا کوئی خوش ' ہزار خدمت کر

کچھ اور چیزیں ہیں دنیا کو جو بدلتی ہیں
کہ اپنے درد کو اپنے لیے عبارت کر

نہیں عجب اسی پل کا ہو منتظر وہ بھی
کہ چھو لے اس کے بدن کو۔۔۔ ذرا سی ہمّت کر

خلوص تیرا بھی اب زد میں آ گیا باقیؔ
یہاں یہ روز کے قصّے ہیں ' جی۔ برا مت کر

ہوائیں زور سے چلتی تھیں ہنگامہ بلا کا تھا
میں سنّاٹے کا پیکر منتظر تیری صدا کا تھا

وہی اک موسمِ سفّاک تھا، اندر بھی باہر بھی
عجب سازش لہو کی تھی، عجب فتنہ ہوا کا تھا

ہم اپنی چُپ کو افسوں خانۂ معنی سمجھتے تھے
کہاں دل کو خبر تھی، امتحاں حرف و صدا کا تھا

غلط تھی راہ لیکن کس کو دم لینے کی فرصت تھی
قدم جس سمت اٹھّے تھے، ادھر ہی رخ ہوا کا تھا

ہمارے دوست بننے کو ضرورت حادثے کی تھی
عجب اک مرحلہ سا درمیاں میں ابتدا کا تھا

ہم اپنے ذہن میں کیا کیا تعلّق اسے رکھتے تھے
وہاں سارا کرشمہ ایک بے معنی ادا کا تھا

مسافر تنہا تنہا لوٹ آئے راہ سے آخر
سمجھتے تھے جسے رہبر، وہ اک جھونکا کا تھا

وہاں ٹھنڈی سماعت تھی سمندر کی طرح باقی
یہاں الفاظ پر سایہ کسی بنجر صدا کا تھا

آج کیا لَوٹتے لمحات میسّر آئے
یاد تم اپنی عنایات سے بڑھ کر آئے
آشنائی ترے جلووں سے مگر کیا تھی ضرور
اک نظر دیکھ لیں ہم رونقیں، جی بھر آئے
کیا خبر ترکِ تعلّق ہی اسے ہو منظور
اب گلہ کرتے بھی اِس جی کو بہت ڈر آئے
تو ہی کچھ کہہ کہ ترے عہدِ وفا سے پہلے
غم وہ کیا تھا کہ ہم اک عمر بسر کر آئے
تیرے قصّے نہیں کم یوں تو رلانے کے لیے
اک اچٹتا سا تعلّق بھی میسّر آئے
اپنی خاموش نگاہی کو نہ اک راز سمجھ
غم زدوں تک ترے پیغام برابر آئے

کس نے دیکھی ہے مگر جنّتِ فردا باقیؔ
یہ وہ دنیا ہے کہ بس دھیان میں اکثر آئے

وہ'۔۔۔جسے اب تک سمجھتا تھا میں پتھّر۔۔۔سامنے تھا
اک پگھلتی موم کا سیّال پیکر سامنے تھا
میں نے چاہا آنے والے وقت کا اک عکس دیکھوں
بیکراں ہوتے ہوئے لمحے کا منظر سامنے تھا
اپنی اک پہچان دی آئی گئی باتوں میں اس نے
آج وہ اپنے تعلّق سے بی بڑھ کر سامنے تھا
میں یہ سمجھا تھا کہ سر گرمِ سفر ہے کوئی طائر
جب رکی آندھی تو اک ٹٹا ہوا پر سامنے تھا
میں نے کتنی بار چاہا خود کو لاؤں راستے پر
میں نے پھر کوشش بھی کی'لیکن مقدّر سامنے تھا
سرد جنگل کی سیاہی پاٹ کر نکلے ہی تھے ہم
آخری کرنوں کو تہہ کرتا سمندر سامنے تھا
ٹٹنا تھا کچھ عجب قہرِ سفر پہلے قدم پر
مُڑ گئی تھی آنکھ' ہنستا کھیلتا گھر سامنے تھا
پُشت پر یاروں کی پسپائی کا نظّارہ تھا شاہد
دشمنوں کا مسکراتا ایک لشکر سامنے تھا

آنکھ میں اترا ہوا تھا شام کا پہلا ستارہ
رات کالی سر پہ تھی۔۔۔اور سرد بستر سامنے تھا

تمام راستہ پھولوں بھرا ہے میرے لیے
کہیں تو کوئی دعا مانگتا ہے میرے لیے
تمام شہر ہے دشمن تو کیا ہے میرے لیے
میں جانتا ہوں ترا در کھلا ہے میرے لیے
مجھے بچھڑنے کا غم تو رہے گا ہم سفرو
مگر سفر کا تقاضا جُدا ہے میرے لیے
وہ ایک عکس کہ پل بھر نظر میں ٹھہرا تھا
تمام عمر کا اب ایک سلسلہ ہے میرے لیے
عجیب در گزری کا شکار ہوں اب تک
کوئی کرم ہے نہ کوئی سزا ہے میرے لیے
گزر سکوں گا نہ اس خواب خواب بستی سے
یہاں کی مٹی بھی زنجیر پا ہے میرے لیے
اب آپ جاؤں تو جا کر اسے سمیٹوں میں
تمام سلسلہ بکھرا پڑا ہے میرے لیے
یہ حسنِ ختمِ سفر -- یہ طلسم خانۂ رنگ
کہ آنکھ جھپکوں تو منظر نیا ہے میرے لیے

یہ کیسے کوہ کے اندر میں دفن تھا باقیؔ
وہ ابر بن کے برستا رہا ہے میرے لیے

اِدھر کی آئے گی اک رو، اُدھر کی آئے گی
کہ میرے ساتھ تو مٹّی سفر کی آئے گی
ڈھلے گی شام جہاں۔۔۔ کچھ نظر نہ آئے گا
پھر اُس کے بعد بہت یاد گھر کی آئے گی
نہ کوئی جا کے اسے دکھ مرے سنائے گا
نہ کام دوستی اب شہر بھر کی آئے گی
ابھی بلند رکھو یارو آخری مشعل
اِدھر تو پہلی کرن کیا سحر کی آئے گی

کچھ اور موڑ گزرنے کی دیر ہے بانیؔ
صدا، نہ گرد کسی ہم سفر کی آئے گی

رنگ لیک سے عاری۔۔۔ جسم ٬ ادا سے خالی
یہ کیسی بستی ہے ٬عکسِ ہوا سے خالی
ہم سے پہلے شاید کوئی آ یا نہ گیا
اک اک راہ پڑی ہے نقشِ پا سے خالی
یوں نکلا ہوں گھر سے ٬ گھر کے ہر منظر سے
کچھ ٹوٹے اوپر سے ٬ ہونٹ دعا سے خالی
پچھلے پہر نے بڑھ کر میری چیخ سمیٹی
کاسۂ شب تھا شاید ایک صدا سے خالی

اب کے چلی وہ آندھی ٬لمحۂ روشن غائب
دن سنگھرش سے عاری۔۔۔ رات۔۔ خدا سے خالی

وہ مناظر ہیں یہاں، جن میں کوئی رنگ نہ بو۔۔۔۔ بھاگ چلو
جاتے موسم کی فضا ہے، کہیں مانگے نہ لہو۔۔۔۔ بھاگ چلو
کوئی آواز پسِ در ہے، نہ آہٹ سرِ کُو۔۔۔۔ بھاگ چلو
بے صدائی کا وہ عالم ہے کہ جم جائے لہو۔۔۔۔ بھاگ چلو
یہ وہ بستی ہے جہاں شام سے سو جاتے ہیں سب اہلِ وفا
شب کا سنّاٹا دکھائے گا عجب عالمِ ہو۔۔۔۔ بھاگ چلو
کیا عجب منظرِ بے چہرگی ہر سمت نظر آتا ہے
ہر کوئی اور کوئی اور ہے، نہ یہاں میں ہے نہ تُو۔۔۔۔ بھاگ چلو
پھر کسی حرفِ تمنّا کو اُڑا دے گا دھوئیں کے مانند
وقت بیٹھا ہے یہاں بن کے کوئی شعبدہ جو۔۔۔۔ بھاگ چلو
دوستو شکر کرو چاکِ جگر تک نہیں بات آئی ابھی
یہ گریبان تو ہو جائے گا سَو بار رفُو۔۔۔۔ بھاگ چلو

کسی تصویر کے پیچھے نہیں یاں کوئی تصوّر باقی
ایک اک چیز ہے بیگانۂ ادراکِ نمو۔۔۔۔ بھاگ چلو

جادو گری اس پر کسی صورت نہ چلے گی
اے عشق، تری سعیِ متانت نہ چلے گی
مجھ سا ترا دشمن بھی یہاں کون ہے، کچھ سوچ
دو روز بھی اپنی یہ عداوت نہ چلے گی
خوابیدہ سے لہجے میں سنا لے ابھی قصّے
وہ درد اٹھے گا کہ نزاکت نہ چلے گی
تو اپنے غمِ ذات کو کیسے ہی بیاں کر
اَوروں کی تراشیدہ عبارت نہ چلے گی
جھلسی ہوئی اک راہ پہ آنے کی ہے بس دیر
پھر ساتھ ترے گردِ مسافت نہ چلے گی
بستی ہے مری جاں یہ عجب بند گھروں کی
چل دے کہ یہاں رسمِ محبّت نہ چلے گی
میں ترکِ وفا کر لوں، مگر مجھ کو بتا دو
اس حادثے سے کوئی روایت نہ چلے گی
جو آئے ترے دھیان میں دل باختہ کہہ دے
بے ساختہ کہہ دے۔۔۔ کہ حکایت نہ چلے گی

ٹوٹے ہوئے خوابوں کا یہ درماں نہیں باقی
شب بھر ترے پینے کی یہ عادت نہ چلے گی

تیرگی بلا کی ہے، میں کوئی صدا لگاؤں
ایک شخص ساتھ تھا، اُس کا کچھ پتا لگاؤں
بہتے جانے کے سوا، بس میں کچھ نہیں تو کیا
دشمنوں کے گھاٹ ہیں، ناؤ کیسے جا لگاؤں
وہ تمام رنگ ہے، اس سے بات کیا کروں
وہ تمام خواب ہے، اُس کو ہاتھ کیا لگاؤں
کچھ نہ بن پڑے تو پھر ایک ایک دوست پر
بات بات شک کروں، تہمتیں جُدا لگاؤں
منظر آس پاس کا ڈوبتا دکھائی دے
میں کبھی جو دور کی بات کا پتا لگاؤں
ایسی تیری بزم کیا۔۔۔ ایسا نظم و ضبط کیا!
میرے جی میں آئی ہے آج قہقہہ لگاؤں

یہ ہے کیا جگہ میاں، کہہ رہے ہیں سب کہ یاں
کچھ کشاں کشاں رہوں، دل ذرا ذرا لگاؤں

گرد میرے نہ فصیلیں ترے کام آئیں گی
کچھ ہوائیں تو مری سمت مدام آئیں گی
یہ مسافت کہ چلی جائے گی رستہ رستہ
منزلیں یوں تو نئی گام بہ گام آئیں گی
کچھ تو دل آپ ہی بجھتا سا چلا جاتا ہے
اور کیا کیا نہ ہوائیں سرِ شام آئیں گی
اِس اندھیرے میں نہ اک گام بھی رکنا یارو
اب تو اک دوسرے کی آہٹیں کام آئیں گی

بین کرتی ہوئی سمتوں سے نہ ڈرنا باقیؔ
اتنی آوازیں تو اس راہ میں عام آئیں گی

ترتیب، ٹائپنگ، تدوین اور ای بک کی تشکیل: اعجاز عبید
اردو لائبریری ڈاٹ آرگ، کتابیں ڈاٹ آئی فاسٹ نیٹ ڈاٹ کام اور کتب ڈاٹ 250 فری ڈاٹ کام کی مشترکہ پیشکش